

کے شعر سننے کا موقع ملا تو یہ تعارف مہینے ڈیڑھ مہینے کی قلیل سی مدت میں اس پمیلے پر کیوں کر پہنچ سکتا تھا کہ حسام الدین حمید رخاں میرزا کے اشعار لکھتو لے جا کر میر تقی کو دکھاتے اور ان کے متعلق میر صاحب کی رائے لے آتے ہ

۴۔ اس قول میں ایک سے زیادہ پہلو ایسے ہیں کہ میر تقی جیسے رمز شناس شعر کی زبان پر وہ آہی نہ سکتے تھے۔

بہر حال میر کی بیان کردہ پیش گوئی کو بھی انہیں داستانوں میں شمار کرنا چاہیے جو عجائب پسند لوگ غیر معمولی دل و دماغ کے آدمیوں کے متعلق وضع کر لیا کرتے ہیں اور شاید ہی کوئی بڑا آدمی گذرا ہو جس کے گرد و پیش ایسی داستانوں کے ہلے تیار نہ کر دیئے گئے ہوں۔ میرزا غالب یقیناً ”لابواب شاعر“ بن گئے مگر سیدھے رستے پر ہو لینے کے لیے کسی استاد کی رہنمائی کے ممنون نہ ہوئے :

شعر غالب بنو و دوحی و نہ گوئیم ولے تو دیند داں نتواں گفت کہ الہامے ہست  
اردو دیوان کی کہانی غالب کے اردو دیوان کی ترتیب و انتخاب کے متعلق بھی ایک افسانہ وضع کر لیا گیا، جسے مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے ”آب حیات“ میں شامل کر کے حقیقت کے درجے پر پہنچا دیا، یعنی مولانا فضل حق خیر آبادی اور میرزا خاں کوتوال نے دوست ہونے کی حیثیت میں غالب کو سمجھایا کہ تمہارے اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ غالب نے کہا :

”اب اتنا کچھ کہہ چکا، تدارک کیا ہو سکتا ہے؟ انھوں (مولانا اور میرزا خاں) نے کہا خیر ہوا، سو ہوا، انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو۔ میرزا نے دیوان حوالے کر دیا دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا“ (آب حیات ص ۵۱)  
اس اقتباس کا بے سرو پا ہونا کسی تفصیل کا محتاج نہیں۔ غور فرمائیے کہ :

۱۔ اگر شعر کے حسن و خوبی کا تنہا یہی معیار ہو تو کہ وہ عام لوگوں کی سمجھ میں آجائے تو عرفی نظیری وغیرہ کے مقابلے میں ہلالی کا مرتبہ بدرجہا بلند تر ہوتا۔

۲۔ پھر یہ کیا قول ہے کہ ”اتنا کچھ کہہ چکا، تدارک کیا ہو سکتا ہے؟“ اگر میرزا غالب اشعار